محمد جعفر شاہ ندوی

ایک حدیث

سیدنا صہیبؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان یوں نقل کرتے ہیں:۔

عجبا لامر المؤمن، ان امرہ کلہ لہ خیر، ولیس ذلك لاحد الا للمؤمن، ان اصابتہ سرّاء شکر فکان خیرا، وان اصابتہ ضراء صبر فکان خیرا (رواہ مسلم)

مومن کی بھی عجیب شان ہے جس کی زندگی کا ہر پہلو اس کے لئے بھلائی ہے، اور یہ شرف مومن کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں۔ اگر اسے کوئی مسرت حاصل ہو تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور اگر تکلیف پہنچے تو صبر سے کام لیتا ہے اور یہ دونوں کیفیات اس کے لئے خیر ہی ہوتی ہیں۔

یہ پوری کائنات ایک متحرک اور DYNAMIC نظام ہے جس کی حرکت فطری طور پر ارتقائی واقع ہوئی ہے۔ ایک پہیا جب زمین پر گردش کرتا ہے تو بار بار اس کا بالائی حصّہ نیچے آتا ہے اور نچلا حصّہ اُوپر کو جاتا ہے۔ اسی متحرک نشیب و فراز کے صدقے میں وہ پہیا آگے بڑھتا جاتا ہے۔ اگر پہیے کا ایک حصّہ ہمیشہ اُوپر اور دوسرا دائماً نیچے رہے تو اس میں حرکت کی بجائے سکون اور ارتقا کی جگہ جمود پیدا ہو جائے گا۔ اگر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن نہ آئے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ ہر شے کا وجود متضاد عناصر کے ٹکراؤ یا مخالف قوتوں کے امتزاج کی بدولت قائم ہے۔ انسانی زندگی کا تقدم و ارتقا بھی اسی قسم کے متباین حالات و کیفیات کے امتزاج پر موقوف ہے۔ کبھی حکومت ہے کبھی محکومی، کبھی عزّت ہے کبھی ذلّت، کبھی خوشی ہے کبھی غم، کبھی کامیابی کبھی ناکامی، کبھی مصیبت کبھی راحت، کبھی زندگی کبھی موت۔ قطع نظر اس سے کہ ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کی بقا بھی ضد کی وجہ سے ہے۔ دُنیا کا نظام ہی ایجاب و سلب کی امتزاجی گردشوں پر قائم ہے۔ اس مضمون کو قرآنِ کریم یوں بیان فرماتا ہے:۔

...... تؤتی الملك من تشاء و تنزع الملك ممن تشاء وتعزّ من تشاء و تذل من تشاء بیدك الخیر .... تولج اللیل فی النهار و تولج النهار فی اللیل وتخرج الحی من المیت وتخرج المیت

من الحی ....

اے اللہ تو جسے چاہتا ہے بادشاہی بخشتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہی چھین لیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے .... تو رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مُردے سے اور مُردے کو زندہ سے نکالتا ہے.....

ان دونوں آیتوں میں جو نکتہ خاص طور پر قابلِ غور ہے وہ لفظ "بیدک الخیر" ہے۔ ایتائے مُلک و نزع ملک، اعزاز و اذلال، ایلاج لیل، ایلاج نہار، اخراج حی و اخراج میت، یہ سب گردشیں اور مسلسل انقلابات ہیں لیکن اس مشیّتِ قدرت کو ہمہ تن "خیر" ہی کہا گیا ہے۔ اگر یہ مدوجزر اور یہ نشیب و فراز کچھ بھی حامل شر ہوتے تو "بیدک الخیر والشر" کہا جاتا اور صرف بیدک الخیر پر اکتفا نہ کیا جاتا۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ سب کچھ خیر ہی خیر ہے تو پھر "شر" کیا ہے؟ کہاں ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے؟ یہ بڑا کٹھن سوال ہے۔ مختصراً یوں سمجھنا چاہیئے کہ خیر مطلق اور شر مطلق کا دنیا میں کہیں وجود نہیں۔ ہر خیر کے ساتھ شر اور ہر شر کے دامن سے خیر وابستہ ہے۔ جہاں بلندی ہے وہیں اس کے پہلو بہ پہلو پستی بھی ہے اور جہاں بُرائی ہے وہیں بھلائی بھی موجود ہے۔ ہر شے کے اندر بیک وقت خیر و شر کے دونوں رُخ موجود ہیں۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ ہر شے کے اندر اپنے لئے خیر کا پہلو تلاش کرے اور شر سے بچ نکلے۔ شر سے وہ پھر بھی نہ بچ سکے گا یعنی اس اختیارِ خیر اور اس اجتناب شر میں بھی ایک پہلو خیر کا اور دوسرا شر کا ہوگا۔ اب اسے پھر یہاں بھی شر سے بچ کر خیر کو سمیٹنے کے لئے جدوجہد کرنی پڑے گی اور یوں ہی مسلسل وہ خیر کی طرف بڑھتا جائے گا تا آنکہ خیر مطلق ——— اللہ ——— تک پہنچ جائے۔ یہی وہ "قدر الاقدار" ہے جو نصب العین حیات ہے۔

غرض اس جامع الاضداد زندگی میں اور اس زندگی کے ہر قدم پر جو چیز بھی آئے گی وہ تنہا نہیں ہوگی بلکہ اپنی نقیض اور اپنی ضد کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ زندگی ہے تو موت بھی ہوگی۔ فارغ البالی ہے تو تنگدستی بھی قطعی ہوگی۔ خوشی ہے تو غم بھی لازمی ہے۔ راحت ہے تو رنج بھی ضروری ہے۔ کامیابی ہے تو ناکامی بھی یقینی ہے۔ غرض دونوں نقیضین پہلو بہ پہلو ساتھ ساتھ آتے ہیں۔

پھر ہر ایک پہلو بجائے خود بھی اپنے اندر خیر و شر کے دونوں پہلوؤں کا حامل ہوگا۔ زندگی بھی حامل خیر و شر ہے اور موت بھی۔ فارغ البالی بھی اور تنگدستی بھی۔ خوشی میں بھی خیر و شر کے دونوں پہلو موجود ہیں اور رنج میں بھی۔ پھر اس ایک چیز کے اندر خیر و شر کے دونوں پہلوؤں میں بھی نہ خیر مطلقاً خیر ہے اور نہ شر ہمہ تن شر۔ بلکہ ہر خیر بھی کسی نہ کسی شر سے وابستہ ہوگا اور ہر شر کے ساتھ کوئی نہ کوئی خیر چپکی ہوئی ہوگی۔ خیر و شر کی ثنویت کا یہ لامتناہی سلسلہ اس وقت تک یوں ہی جاری رہے گا جب تک یہ دوئی وحدت محضہ اور خیر مطلق میں تبدیل نہ ہو جائے۔

غرض جب خیر کو سمیٹنے اور مسلسل پے درپے یکے بعد دیگرے خیر کو سمیٹتے رہنے میں بھی شر سے مکمل اجتناب ممکن نہیں تو سوال یہ ہے کہ

انسان پھر کیا کرے؟ کہاں جائے؟ —— کیا وہ محض اس خیال سے کہ شر سے پورے طور پہ بچنا ناممکن ہے، زندگی سے اور زندگی کے کاروبار اور سعی و جہد سے دستبردار ہو جائے، مایوس ہو کر بیٹھ جائے؟ ساری عمر اس غم میں گھلتا رہے کہ شر سے بچنا ناممکن ہے؟ —— یہی سوال ہے جس کا زیر بحث حدیث میں جواب دیا گیا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ہر حال میں جہاں تاریک پہلو نظر آتے ہیں وہاں کچھ روشن پہلو بھی موجود ہیں۔ تاریک پہلوؤں کی زد سے کلیۃً محفوظ رہنا ناممکن ہے اس لئے اپنی نظر روشن پہلوؤں پر رکھو۔ زندگی کی تعمیر اور خیر مطلق کی طرف ارتقا صرف تاریک پہلوؤں پہ نظر جمائے رکھنے سے ممکن نہیں۔ اس کے لئے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ شر سے اعراض اور پہلو تہی کرو، تاریکیوں کی طرف سے صرف نظر کر کے قلب و نظر کو روشنیوں کی آماجگاہ بناؤ —— اگر خوشی و مسرت کا موقع ہے تو اس کا بہترین مصرف "شکر" ہے اور اگر رنج و زیاں کا سامنا ہو تو وہاں "صبر" سے بہتر اس کا اور کوئی مصرف نہیں ہو سکتا۔ سراء و ضراء (سود و زیاں) کے یہ دونوں موقعے ایسے ہیں جن کا روشن پہلو بھی شکر و صبر ہے۔ یہ دونوں ایسے بلند اقدار ہیں جو ہمہ تن خیر ہی خیر ہیں۔ ہمہ تن خیر کا یہ مطلب نہیں شکر و صبر خیر مطلق ہیں اور ان میں کسی طرح کا کوئی شر نہیں۔ شر کا کوئی نہ کوئی پہلو شکر و صبر میں بھی ہو سکتا ہے، لیکن پھر بھی ایسی خیر غالب جو خیر مطلق کی طرف صعود کرنے کا ذریعہ ہو شکر و صبر ہی میں ہو سکتی ہے۔ اگر سراء کے موقعے پر ناشکری کرے اور بموقع ضراء بے صبری ہو تو خواہ ان دونوں میں کوئی پہلوئے خیر بھی ڈھونڈھ نکالا جائے لیکن بہر حال یہ ہو گا شر غالب، اور یہ خیر مطلق کی بجائے شر ہی کی طرف لے جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے شکرِ سراء کو بھی "فکان خیرا" فرمایا ہے اور صبر ضراء کو بھی "فکان خیرا" ہی کہا ہے۔

سراء میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کے حصول سے —— خواہ خواہش کے بعد حاصل ہوں یا بلا خواہش —— انسان کو مسرت و خوشی ہوتی ہے۔ اسی طرح ضراء میں ہر وہ شے داخل ہے جس کے آنے سے انسان کو صدمہ و رنج ہوتا ہے۔ ان دونوں کو ہم آسان لفظوں میں "سود و زیاں" کہتے ہیں۔ ان دونوں کے وجود کے لئے کوئی مادی معیار نہیں مقرر کیا جا سکتا۔ اس کا مقیاس صرف احساسِ انسانی ہے۔ اس احساس کے مختلف رُخ ہوتے ہیں۔ جو لوگ قنوطی PESSIMISTIC ہوتے ہیں وہ ہر چیز میں —— خواہ خوشی ہی کی بات کیوں نہ ہو —— اپنے لئے رنج و فکر کا کوئی پہلو تلاش کر لیتے ہیں اور اس پہ رونے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور جو لوگ رجائی (OPTIMISTIC) نقطۂ نگاہ رکھتے ہیں وہ زیاں کے اندر بھی روشن پہلو تلاش کر کے روحانی تسکین حاصل کر لیتے ہیں۔ یہی روحانی بالیدگی انسان کو آگے سے آگے بڑھاتی چلی جاتی ہے۔ یاس انسان کو بٹھا دیتا ہے اور رجا آگے بڑھاتی ہے۔ اسلام انسان کو رجائی بنانا چاہتا ہے اور حضورؐ کی یہ حدیث یہی پیغام دے رہی ہے کہ ہر حال میں اپنے لئے وہی پہلو تلاش کرو جو زندگی کو مایوسی کے غار میں نہ ڈھکیلے بلکہ امید و رجا کی بلندیوں کی طرف لے جائے۔ قرآن نے اسی لئے فرمایا ہے کہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ اور لا تیئسوا من روح اللہ۔ رحمتِ الٰہی سے مایوس نہ ہو۔ خوشی و رنج کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔ سراء و ضراء، سود و زیاں، یسر و عسر تو ایک دوسرے کے توأم ہیں۔ یہ زندگی میں

یکے بعد دیگرے اسی طرح آتے ہی رہیں گے جس طرح دن کے بعد رات، اور رات کے بعد دن آتے رہتے ہیں۔ تم دن سے بھی فائدہ اُٹھاؤ اور شب سے بھی۔ سُود سے بھی اور زیاں سے بھی، زندگی سے بھی اور موت سے بھی۔ اس کے لئے صرف وجہتِ قلب ونگاہ کو بدلنا پڑے گا، نفسیاتی تحریکات کی سمت تبدیل کرنی پڑے گی، ذہن کا رُخ بدلنا پڑے گا۔ بس ہر حال میں اعلیٰ اقدار پیش نظر رہیں۔ سرّا میں شکر اور ضرّا میں صبر —— اس شکر کا مطلب لفظ "الحمدللہ" کی تکرار نہیں اور نہ صبر کا مطلب مظلومانہ صورت بنا کے خاموش رہنا ہے۔ یہ دونوں چیزیں در اصل زندگی کے دو اعلیٰ رجحانات (ATTITUDES) ہیں جو خوشی و رنج کی دونوں حالتوں میں دماغ کے توازن، کردار کے اعتدال، ہمت کی بلندی اور نفس کے مقابلے کے لئے انسان کو تیار رکھتے ہیں۔

موت کتنی بھیانک شے ہے لیکن حضورؐ نے اس کے روشن پہلو کو بڑے عجیب انداز سے بیان فرمایا ہے کہ اگر مرنے والا بُرا ہے تو دُنیا کو اس کی بُرائیوں سے نجات مل جاتی ہے اور اگر اچھا ہے تو مرنے والے کو دُنیا کی بہت سی بُرائیوں سے چھٹی مل جاتی ہے۔ غرض حدیث زیر بحث کی روح سے صرف سرّا و ضرّا کا مصرف بتانا نہیں بلکہ یہ ایک اصول ہے کہ ہر شے میں سے اپنے لئے روشن پہلو نکال لو تاکہ زندگی کا رُخ صحیح اور ارتقا کی طرف رہے۔

ریاض السنة

تقریباً چھ سو صفحات کی یہ کتاب ان احادیث کا منتخب مجموعہ ہے جس میں ترقی پسندانہ احادیث کے علاوہ ان احادیث کو بھی جمع کیا گیا ہے جن میں توسع و تیسر ہے۔ ادبی مرقعے ہیں۔ اور فقہ کی تشکیل جدید میں بڑی معاونت کرینگے۔ ہر حدیث کی الگ سُرخی اور سامنے اس کا سلیس ترجمہ ہے۔ یہ مجموعہ حدیث کی چودہ کتابوں کا خلاصہ اور بے مثل انتخاب ہے۔ قیمت آٹھ روپے

مقامِ سنّت

وحی کیا چیز ہے؟ اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ حدیث کا کیا مقام ہے؟ حدیث اور سنّت میں کیا فرق ہے؟ اتباع حدیث کا ضروری ہے یا سنّت کا؟ مسائل حدیث میں کہاں تک ردّو بدل ہو سکتا ہے؟ اطاعتِ رسول کا کیا مطلب ہے؟ یہ تمام مسائل آپ کو اس کتاب میں بڑے سلجھے ہوئے انداز میں ملیں گے۔ قیمت دو روپے

یہ دونوں کتابیں مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی کی تصنیف ہیں۔ کتابت و طباعت عُمدہ ہے۔ اور جلد خوب صورت مع رنگین گرد پوش۔

ملنے کا پتہ:۔ سکرٹری ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ ۲۔ کلب روڈ۔ لاہور (پاکستان)